عصر حاضر میں اقلیتوں کے حقوق و فرائض سے متعلق جدید معاشی مسائل

پاکستانی فقہاء کی آراء کی روشنی میں خصوصی مطالعہ

Modern problems regarding the rights and obligations of the minorities in current/present era : a special study under the light of opinions of pakistani jurists

[1]Qismat Khan
[2]Manzoor Ahmad

Abstract

The Quran explained the commands and the particulars, as well as the most powerful principles of legislate for all humanity, so that in every era all the problems of people of different color and creed would be solved till resurrection, now that no other shariat (divine law of religion) or prophet will not come.Islam has two basic characteristics which ennoble it from self-assumed modern and primitive system of life of other revelative and non revelative religions.The first thing is that Islam is a comprehensive and inclusive system. There is no way out of human life, from personal and social issues, rights and duties of minorities, economics, politics, vindicative and military, war and defense orders, foreign and interior policy, international relations and law to state unity. Relationships, ethical guidelines, the concessions of modern spices and alimony, and the solution to these needs. It has thoroughly laid out all the fields of law, the details of these fields and the basic principles in this regard and they are so associative and Balanced. That even those who had poor kenning, will not be willing to believe that Islam is merely a religion of secrecy and private life, they have nothing to do with social and civil issues.Secondly, its utility is not specific to a particular time and pact. On the contrary, its ability to solve human problems is eternal and infinite. The changing conditions of the times and the changing attitudes of

[1] PhD Scholar, Department of Islamic studies & Arabic, Gomal University D.I.Khan
Email: qismatkhan19@gmail.com.
[2] Assistant Professor Department of Islamic studies and Arabic Gomal University Dera Ismail Khan. Email: drmanzoor67@yahoo.com.

society can do nothing to undermine its strong legal base.So, the nature of Islam made Islam such a comprehensive religion that all kinds of problems of people of all colors and races will be solved in each of the coming times. "Special study in the light of the opinions of Pakistani jurists of rights and duties of minorities about modern issues in present era" They will be discussed under the following circumstances:

* rights and duties of minorities
* Economical problems and concerns of minorities
*Social issues and concerns of the minorities.
 * Minority issues are solved in light of the opinions of Pakistani jurists.

Keywords:Pakistan,Quran, Religion,Islam,Human.

جس طرح قرآن مجید خدا کی آخری کتاب ہے اور پیغمبر اسلام سلسلہ نبوت کی آخرت کڑی ہیں اس طرح اسلام کا پیش کیا ہوا نظام حیات سب سے آخری، ابدی اور مکمل دستور ہے۔ یہ نہ صرف اسلام کا دعوی ہے بلکہ ایک طویل تاریخ ہے جو اس کی تصدیق کرتی آرہی ہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو بھی انسان کے خود ساختہ نظام ہیں ان میں قوانین، وسائل وذرائع اور تغیر پذیر اسباب کو سامنے رکھ کر وضع کئے گئے ہیں۔ وسائل اور اسباب کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ہمیشہ تبدیلی اور تغیر پیش آتا رہتا ہے۔ اس لئے ان قوانین کا بھی حال یہ ہوتا ہے کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد دوسرے زمانے میں وہ فرسودہ ہو جاتے ہیں۔

اس کے برخلاف اسلامی قانون میں انسان اور اسکی فطرت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ انسانی فطرت ہمیشہ یکساں رہتی ہے۔ مثلاً مسرت و غم، آرام وتکلیف، غصہ رحم، دوستی ودشمنی، مختلف واقعات پر منفی رد عمل، کھانے پینے اور معاشرت کی بنیادی ضرورتیں اور اس میں خوب سے خوب تر کی تلاش کا جذبہ، یہ وہ چیزیں ہیں جو ابتداء آفرینش سے انسان میں ہیں۔ اور جب تک انسان رہے گا اس کی یہ خصوصیات بھی قائم رہیں گی۔ اب فطری بات ہے کہ جس دستور حیات میں مرکزی حیثیت ان ہی امور کو دی جائے گی وہ خود بھی ابدی اور لافانی ہوں گے۔

اس طرح اصولی اعتبار سے زمانہ اور حالات کی تبدیلی کا شریعت اسلامی پر کوئی ایسا اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کو دوراَز کار اور غیر عصری بنادے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس تہذیبی اور صنعتی انقلاب کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس کی وجہ سے یقیناً بہت سے ایسے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جن کا حل تلاش کرنا اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسکی حیثیت متعین کرنا ضروری ہے اور ناگزیر ہے۔

جدید پیش آمادہ مسائل میں واقعہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچنے اور اعتدال سے کام لینے کی ضرورت ہے، نہ یہ صحیح ہے کہ ہر نئی ایجاد اور نئے نظام کو ناجائز قرار دے دیا جائے۔ اور اس سے زیادہ غلط یہ ہے کہ ہر غلط کیلئے اسلام میں راہ نکالنے کی سعی کی جائے۔ ہمیں ہر مسئلہ پر اسلام کے چوکھٹے اور دین کے حدود اربعہ میں رہ کر غور کرنا ہے اور جن چیزوں میں امت کے لئے سہولت پیدا ہو سکتی ہے ان میں لچک بھی رکھنی ہے۔ اُمّ المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ کا طرز عمل ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"وَمَا خَيرٌ بَينَ اَمرَينِ اِلاّ اِختَارَ اَيسَرَهمَا مَالَم يَكُن مَأثَمًا"[1]

"حضور ﷺ کو جب بھی دو باتوں کے بارے میں اختیار دیا گیا آپ نے اس میں سہل کا انتخاب فرمایا بشرطیکہ وہ گناہ کی بات نہ ہو۔"

فقہاء کا طریقہ یہ بھی رہا ہے کہ جب کسی بات کا ابتلاء عام ہو جائے تو اس میں شریعت کی حدوں میں رہتے ہوئے جواز کے حیلے نکالے جائیں جن کا مقصد حرام سے بچنا اور خلاصی حاصل کرنا ہو۔

وَكُلُّ حِيلَة يَحتَالُ بِها الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِها عَنِ حَرَامٍ اَو لِيَتَوَصَّلَ بِها اِلٰى الحَلَالِ فَهِىَ حَسَنَةٌ[2]

"وہ حیلے جن سے آدمی حرام سے خلاصی حاصل کرنا چاہیے ہے یا حلال صورت پیدا کرنی مقصود ہو، بہتر ہیں۔"

اسلام کی دو وہ بنیادی خصوصیات ہیں جو اس کو دوسرے تمام الہامی اور غیر الہامی مذاہب کے خود ساختہ جدید وقدیم نظام ہائے زندگی سے ممتاز کرتی ہیں۔ پہلی بات ہے کہ اسلام ایک ہمہ گیر اور جامع دستور ہے۔ جس سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ باہر نہیں ہے شخصی اور عائلی مسائل، معاشیات، سیاسیات، تعزیری اور فوج داری، جنگی اور دفاعی احکام،

---

1 الترمذی، محمد بن عیسی، الجامع (قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۷۷

2 ملا نظام الدین، فتاوی عالمگیری (قدیمی کتب خانہ، کوئٹہ، ۲۰۰۶ء)، ۳۸۶/۴

خارجہ اور داخلہ پالیسی، بین الاقوامی روابط و سلامتی کے قوانین، ریاستی نظام اور ریاست و فرد کے باہمی روابط اخلاقی ہدایات عصری مصالح اور عرف ورواج کی رعایت اور ان ضرورتوں کا حل۔ قانون کے یہ سارے شعبے، ان شعبوں کی تفصیلات اور اس سلسلے میں بنیادی اصول و قواعد اس نے اس خوبی سے پیش کر دیئے ہیں اور ان کو باہم اتنا مربوط اور متوازن رکھا ہے۔ کہ ان پر ادنی نگاہ رکھنے والا بھی یہ ماننے کو تیار نہ ہو گا۔ کہ اسلام محض خلوت اور نجی زندگی کا دین ہے، جلوت اور اجتماعی مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی افادیت کسی خاص زمانہ اور عہد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ اسکی انسانی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت اور افادیت ابدی اور لافانی ہے۔ وقت کے بدلتے ہوئے حالات اور سماج کی تغیر پذیر روش اس کے مضبوط قانونی حصار کو کوئی زِک نہیں پہنچا سکتی۔

اسلام ہر زمانے اور مقام کے لیے ساری انسانیت کے لیے احکام پر مشتمل ایک جامع مذہب کا نام ہے، اسلام دوسرے مذاہب کے ماننے والوں تک اپنا پیغام پہنچاتا ہے لیکن اپنی بات منوانے کے لیے جبر واکراہ کا راستہ نہیں بتاتا، ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[1] کے اصول پر چلتے ہوئے حکمت وموعظت کے ساتھ بندوں کی ہدایت کی کوشش پر زور دیتا ہے، اور ہر انسان کو کوئی بھی مذہب اختیار کرنے میں مکمل اختیار دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں اقلیتوں کے حقوق کا کیسے خیال رکھا گیا ہے اسکا اندازہ اہل نجران کے نام لکھے گئے خط سے لگایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی انکے حقوق کا مکمل خیال رکھا گیا ہے۔

اس مضمون میں "عصر حاضر کے اقلیتوں کے حقوق و فرائض سے متعلق "جدید معاشی مسائل پاکستانی فقہاء کی آراء کی روشنی میں خصوصی مطالعہ" پر بات چیت ہو گی، اقلیتیں دو طرح کی ہیں مسلم اقلیتیں اور غیر مسلم اقلیتیں جو بھی قوم اقلیت میں ہو، انکی حکومت نہ ہو، اور وہ مغلوب ہو کر رہ رہے ہوں، وہ مغلوب اقلیت میں ہیں خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم ، اسلام دونوں اقلیتوں کے حقوق و فرائض کا مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔

آئے اقلیتوں کے چند حقوق و فرائض پر نظر ڈالتے ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق و فرائض:

---

[1] سورۃ البقرۃ ۲:۲۵۶

فقہائے کرام نے پوری دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، دار الحرب اور دار الاسلام۔ اس تقسیم کا پس منظر یہ ہے کہ اسلام دنیا میں خالق کائنات کے ابدی احکام کے نفاذ کے لئے سعی مسلسل کا حکم دیتا ہے۔ جو علاقے ان احکام کی تنفیذ کے لیے تیار ہو جائیں، وہ دار الاسلام بن جاتے ہیں، اور جو علاقے مشیت الہیٰ کے تحت کفر کے تسلط میں رہ جائیں اور ہنوز اطاعت الہیہ کے لئے تیار نہ ہوں وہ دار الحرب کہلاتے ہیں یہ تو ایک عام سی تعریف ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں۔

دار الا سلام مایجری فیه حکم امام المسلمین و دار الحرب مایجری فیه امو رئیس الکافرین۔[1]

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے یوں تقسیم کی ہے

دار الاسلام: وہ مملکت جہاں مسلمانوں کو ایسا سیاسی مؤقف حاصل ہو کہ وہ تمام احکام کے نفاذ پر قادر ہوں۔

دار الحرب: جہاں کافروں کو امن اور مسلمان کو بے امنی حاصل ہو نیز مسلمان اعلانیہ حقوق وعبادات سے قاصر ہوں۔ دار الاسلام سے اتصال وعدم اتصال کی بات فی زمانہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

دار الامن: جہاں مسلمان مامون ہوں کلید اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو، ایسے احکام اسلام جن کے لئے اقتدار ضروری نہیں، انجام دے سکتے ہوں اور مسلمان دعوت دین کا فریضہ بھی انجام دے سکتے ہوں اگر کفار کا ایک گروہ غیر آئینی طور پر مسلمانوں پر حملے کرتا ہو اور فسادات کرتا ہو تو یہ دار الامن کے منافی نہیں، ہاں اگر آئینی طور پر مسلمانوں کو امن نہ حاصل ہو تو پھر یہ ملک دار الحرب کے زمرے میں آئے گا۔[2]

مولانا نے لکھا ہے کہ کمیونسٹ بلاک کے وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو مذہبی حقوق حاصل نہیں ہیں، نیز وہ ممالک جو مطلقاً مذہب ہی کے معاند ہیں نیز وہاں مسلمان اپنا مذہبی تشخص کوئی مذہب ہی نہیں یا رہنے والی تمام قومیں اپنے اپنے مذہب میں عمل کرنے پر آزاد ہیں جیسے امریکہ اور برطانیہ، وہ دار الامن میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔[3]

---

1 قہستانی، شمس الدین محمد، جامع الرموز (مطبع نولکشور، لکھنو، س۔ن)، ۴/ ۵۳۹

2 رحمانی، مولانا، خالد سیف اللہ، جدید فقہی مسائل (زمزم پبلشرز، کراچی، ۲۰۱۲ء)، ۵/ ۴۶۔۴۷

3 ن۔م

اس تمام بحث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ دار الحرب اپنے اصل حکم کے اعتبار سے صرف وہی ممالک ہیں جہاں یا تو مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا ہے یا پھر وہ ممالک براہ راست مسلمانوں سے بر سر پیکار ہیں۔ بہر حال اسلام مسلم و غیر مسلم دونوں اقلیتوں کے حقوق و فرائض کا خیال رکھتا ہے۔

۱۔ **مذہبی آزادی کا حق:** نبی کریم ﷺ نے اقلیتوں کی جانیں، انکی شریعت، زمیں، اموال، حاضر، غائب اشخاص، اور انکی عبادت گاہوں کی مکمل حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی تھی حتیٰ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ انکی دیت بھی مسلمانوں کی دیت کی طرح ہے۔

۲۔ **معاشرتی آزادی کا حق:** اقلیتوں کو اسلامی ریاست میں اپنے سماج و معاشرے کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے انکے شخصی معاملات مثلاً نکاح، طلاق وغیرہ کے سلسلہ میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔

۳۔ **معاہدات کی پاسداری کا حق:** اقلیتوں سے کئے گئے معاہدوں کو توڑنا ممنوع قرار دیا گیا، اسکی پاس داری کو لازم سمجھا گیا ہے۔

۴۔ **جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا حق:** اسلامی ریاست میں اقلیتوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت حکومت اسلامیہ کے ذمے ہے، انکی جان کو بے وقعت اور غیر محترم نہیں قرار دیا گیا، بلکہ انکے ساتھ بد خلقی اور سختی سے پیش آنے سے بھی منع کیا گیا ہے۔

۵۔ **معاشی آزادی کا حق:** اسلامی حکومت میں اقلیتوں کے لئے کسب معاش پر کوئی پابندی نہیں ہے، بلکہ وہ معاشی استحکام کے لئے جو تجارت کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں یا قصبوں میں شراب اور خنزیر کی بھی تجارت کر سکتے ہیں۔

۶۔ **معزوروں کی کفالت کا حق:** اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے معزور افراد کے لئے بھی بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائیگا۔

یہی حقوق و فرائض اور آزادی اسلامی حدود و قیود میں رہتے ہوئے مسلم اقلیتوں کو بھی حاصل ہونگے۔

اقلیتوں کے معاشی مسائل اور فقہاء کرام:

اسلامی حکومت میں اقلیتوں کے لئے کسب معاش پر کوئی پابندی نہیں ہے، بلکہ وہ معاشی استحکام کے لئے جو تجارت کرنا چاہیں کرسکتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے محلوں یا قصبوں میں شراب اور خنزیر کی بھی تجارت کرسکتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان انکی شراب اور خنزیر کو نقصان پہنچائے تو اسے تاوان ادا کرنا ہو گا۔ اسلامی ریاست میں اقلیتیں جو پیشہ اختیار کرنا چاہیں کرسکتی ہیں جو تجارتی ٹیکس مسلمان ادا کرتے ہیں انہیں بھی وہی ٹیکس ادا کرنا ہو گا۔[1]

معزوروں کی کفالت: اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے معزور افراد کے لئے بھی بیت المال سے وظیفہ جاری کیا جائیگا۔

سعید بن مسیب کی روایت ہے کہ

اَنَّ رَسُولَ الله ﷺ تَصَدَّقَ صَدَقَة عَلٰی اَھلِ بَیتٍ مِنَ الیَھودِفَھیَ تَجرِی عَلَیھم۔[2]

"نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کے ایک گھرانے کو صدقہ دیا، آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی انکو صدقہ دیا جاتا رہا۔"

مسلم اقلیتوں کے لیے یہ مسئلہ خاصا قدیم ہے کہ آیا دار الحرب میں سودی معاملات کرنا جائز ہے یا نہیں۔ قبل اس کے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی آراء کا ذکر کیا جائے بہتر ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ حنفیہ کا مسلک ذکر کر دیا جائے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا کہنا ہے کہ دار الحرب میں حربی کے ساتھ سودی معاملہ کرنا مسلم مستامن کے لئے جائز ہے، جبکہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ مسلمان کے لئے سود کا معاملہ کرنا کسی جگہ بھی جائز نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا کہنا ہے کہ دار الحرب میں حربی کا مال معصوم نہیں ہوتا، اس لئے جب مسلمان اس کی خوشی سے اس کا مال زائد لے رہا ہے تو یہ سود ہی نہیں اس لئے کہ سود کا تحقق مال معصوم میں ہوتا ہے اور عصمت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔

دار الاسلام سے یا مال اسلام ہونے سے یعنی یہ کہ وہ دار جہاں یہ معاملہ ہو رہا ہے اگر وہ دار الاسلام ہے تو مال معصوم ہے چاہئے مستامن غیر مسلم ہو یا ذمی ہو یا خود اسلامی ریاست کا باشندہ ہو اسی طرح اگر مال مسلمان کا ہے تو پھر بھی معصوم ہے مسلمان اسے کسی بھی جگہ کیوں نہ لے جائے۔

---

[1] مصباحی، مولانا، ساجد رضا، عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاو (المجمع الاسلامی، اعظم گڑھ، ۲۰۱۵ء)، ص:۱۰۶

[2] ن۔م

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا کہنا کہ مسلمان احکام اسلام کا ہر جگہ پابند ہے چاہئے وہ جگہ دار الاسلام ہو یا دار الحرب، لہذا اس کے لئے سود کی حرمت کا حکم ہر جگہ رہے گا۔

اس مسئلہ پر بحث کا آغاز غالباً شاہ عبد العزیز دہلوی کے فتویٰ سے ہوا اس کے بعد اس مسئلہ پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حنفی فقہ کے اعتبار سے امام ابوحنفیہ کے قول کو صاحبین کے قول پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حنفیہ کے ائمہ میں اختلاف ہو تو ترجیح قوت دلیل کی بنا پر ہوتی ہے۔ تاہم اکثر کا کہنا ہے کہ ترجیح بہر حال امام صاحب کے قول کو ہو گی۔ لیکن اگر قوت دلیل والی بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ پھر بھی امام ابو حنیفہ اور امام محمد (طرفین) کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اصل میں تو بہر حال طرفین کا قول راجح ہے، تاہم مفتی کو ایسے موقع پر دونوں اقوال کے درمیان ترجیح کا حق حاصل ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس ترجیح کی وجہ فساد زمانہ بھی ہوتا ہے بہر حال علمائے برصغیر کی ایک جماعت کے ہاں طرفین کے قول پر فتویٰ تھا اور دوسری جماعت کے ہاں ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ تھا۔[1]

عدم جواز کے قائل حضرات:

انکا مؤقف یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے سود کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ دار الحرب ہو یا دار اسلام چاہے مسلمان کا سود لینا ہو یا دینا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ جو فتاویٰ رشیدیہ میں منقول ہے وہ عدم جواز کا ہے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ آپ کا فتوی جواز کا تھا لیکن آخری رائے عدم جواز کی تھی مولانا حسین احمد مدنی نے لکھا ہے کہ مولانا گنگوہی فتنہ کے خوف سے عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے ورنہ ان کی اصل رائے جواز کی تھی۔[2] برصغیر کے نمایاں فتاویٰ میں اسی احتیاط کے پیش نظر عدم جواز کا فتویٰ ہے۔ معاصر علماء میں سے بھی اکثر کی رائے عدم جواز کی ہے۔[3]

عدم جواز کے قائل حضرات کے دلائل

ان حضرات کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔

---

[1] حسین احمد مدنی، مولانا، فتاویٰ شیخ الاسلام، مرتب، سلمان منصور پوری (نفیس پبلشرز، لاہور، س۔ن)، ص:۱۳۹

[2] ن۔م

[3] رحمانی، مولانا، خالد سیف اللہ، جدید فقہی سائل، ۳۹/۴

وجوہ ترجیح مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ مسلمان ہر جگہ احکام شریعت کا پابند ہے خواہ دار الحرب میں ہو یا دار الاسلام میں۔

۲۔ طرفین کے پاس صرف ایک دلیل ہے۔

لَا رِبوا بَینَ المسلِمِ وَالحَربِی فِی دَارِ الحَربِ۔

"دار الحرب میں مسلمان اور حربی (کافر) کے درمیان ربا نہیں ہوتا۔"

حالانکہ اس حدیث کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں۔

لم اجده لكن ذكره الشافعي ومن طريقة البيهقي قال قال ابو يوسف وائما قال ابو حنيفة هذلان بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله ﷺ قال لا ربوا بين اهل الحرب اظنه قال واهل الا سلام-[1]

"ابن حجر کو اس حدیث کے اتصال کا سراغ نہیں ملا۔ وہ کہتے ہیں کی امام شافعی نے اس کا ذکر کیا ہے۔ بیہقی کی سند میں ہے کہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا تھا کہ بعض مشائخ اسے مکحول کی رسول اللہ سے مروی روایت کہتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے کہ اہل حرب کے درمیان ربا نہیں ہے، غالباً اس کے ساتھ اہل اسلام کا لفظ بھی کہا تھا یعنی اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربا کا تحقق نہیں ہوتا۔"

حالانکہ اس مذکورہ بالا روایت کا معنی بھی ایسا بن سکتا ہے جو سود لینے کے جواز کو ختم کر دے وہ یہ کہ یہاں "لا" نہی کے لئے ہو۔ اس کا معنی یہ ہو گا کہ مسلمان ہر گز حربی سے سود کا معاملہ نہ کرے، اور اس کی خاص ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ حربی کے مال کے غیر معصوم ہونے کے باعث اس کی اباحت کا شبہ ہو سکتا تھا اس شبہ کو ختم کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔[2]

---

1 ظفر احمد عثمانی، مولانا، غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار وغیرہ کا حکم (معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جنوری ۱۹۴۵ء)، ص:۱۱۱

2 تھانوی، مولانا، اشرف علی، امداد الفتاوی (مکتبہ دار العلوم، کراچی، س۔ن)، ۱۵۸/۳

قرآن کریم میں سود کی حرمت سے متعلق جتنی نصوص ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ سودی معاملہ کرے گا۔ سود خور کو خدائے عزوجل نے مجنون قرار دیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ سود میں بہت سے گناہ ہیں جن میں سب سے ادنیٰ گناہ ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس لئے ارشاد فرمایا تھا کہ سود اور سود سے مشابہہ چیزوں کو ہی چھوڑ دو۔ شریعت نے جس کو خبیث کہا ہے کہ اس کی خباثت صرف دار الاسلام تک محدود نہ ہوگی بلکہ یہ خباثت اس معاملہ کی فطرت ہے لہذا یہ معاملہ جس جگہ بھی ہوگا۔ یہ خباثت موجود رہے گی۔[1]

حدیث میں مسلم و حربی کے درمیان ربا کو صرف دار الحرب کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور دار الحرب بلحاظ جواز ربا صرف وہی کہلائے گا جو عملاً مسلمانوں سے بر سرپیکار ہو اس خاص حالت جنگ میں دار الحرب کے لوگوں کا مال ان کی رضامندی سے زائد لیا جاسکتا ہے۔

جواز کے قائل حضرات کا مؤقف:

انکا مؤقف یہ ہے کہ دار الحرب میں مسلمان کا حربی سے سود لینا جائز ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کے مؤقف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کے سود کے لینے اور دینے دونوں کو جائز سمجھتے ہیں۔

معاصر علما میں سے مفتی محمد زید اور مولانا آدم پالنپوری نے مولانا مناظر کے مؤقف کی تائید کی ہے۔[2]

مفتی عبد الواحد صاحب نے لکھا ہے۔

> "وہ مسلمان جو ویزا لے کر دار الحرب میں گیا ہو (یعنی مسلم مستامن) اور وہ شخص جو دار الحرب میں مسلمان ہوا ہو، (یعنی مسلم حربی) یہ لوگ کافر حربی اور مسلم حربی سے سود لے سکتے ہیں۔"[3]

پھر لکھتے ہیں:

---

1 نظام الدین، مفتی، نظام الفتاویٰ (تاج پبلشرز، انڈیا، ۲۰۰۱ء)، ۱/ ۲۶۰

2 گیلانی، مناظر احسن، مولانا، مقالات گیلانی (شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور س۔ن)، ص:۱۵۵۔۱۵۷

3 عبد الواحد، ڈاکٹر، مسائل بہشتی زیور (مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۱۲ء)، ۲/ ۲۶۵۔۲۶۶

"مسلم اصلی یعنی وہ مسلمان شخص جسے دار الحرب میں مستقل سکونت کی اجازت مل گئی ہو یا جس دار الاسلام کا وہ پہلے باشندہ تھا وہ دار الحرب میں تبدیل ہو گیا ہو یہ بھی دار الحرب میں حربی سے سود لے سکتا ہے۔"[1]

مفتی محمد امجد علی اعظمی فتاوی امجدیہ میں لکھتے ہیں

"حربی سے مسلم مستامن سود لے سکتا ہے۔"[2]

مفتی عبد الواحد صاحب نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ مسئلہ اصل کے اعتبار سے ہے اگر کسی جگہ کے علما مفاسد کے اندیشے کے پیش نظر سود لینے سے اجتناب کا فتوی دیں تو ان کے فتویٰ پر عمل کیا جائے۔[3]

مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

"کہ دار الاسلام اور دار الحرب دونوں میں حربی سے سود لینا جائز ہے۔ دار الا سلام میں اس وقت جائز ہو گا جب وہ بغیر امان کے آئے۔"[4]

جواز کے قائل حضرات کے دلائل:

مجوزین کے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مجوزین میں سے بعض حضرات نے اس مسئلے کے لئے فقہا کی ایک یا دو تصریحات کو کافی سمجھا ہے جبکہ مولانا مناظر احسن گیلانی سے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے اور دلائل کا اچھا خاصہ ذخیرہ پیش کیا ہے۔

ا۔ حربی کے مال کو عصمت حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ مدار عصمت اموال اسلام ہے یا دار الاسلام اور حربی کے مال میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ لہذا جب اس کا مال مباح ہو تو یہ صرف ظاہراً سود نظر آتا ہے حقیقت میں یہ سود ہے ہی

---

[1] ن۔م، ص:۲۶۶

[2] صدر الشریعہ، امجد علی اعظمی، مفتی، فتاوی امجدیہ (مکتبہ رضویہ، کراچی، س۔ن)، ۳/۲۲۵

[3] عبد الواحد، ڈاکٹر، فقہی مضامین (مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۱۲ء، ص:۴۳۱

[4] احمد رضا خان، مفتی، فتاوی رضویہ (جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، ۲۰۰۰ء)، ۱۷/۳۱۳

نہیں بلکہ حربی سے اس کی رضامندی سے اس کا مال لینا ہے جو ظاہر ہے کہ جائز ہی ہے جہاں مال کو عصمت حاصل ہو گی تو وہاں زیادتی سود بنے گی۔

۲۔ امام ابو حنیفہ کے پاس اپنے دعویٰ کے اثبات کے لئے صرف ایک ہی حدیث نہیں بلکہ ایک مضبوط و محکم بنیاد ہے جو دلیل اول میں ذکر ہوئی۔ اگر اس بنیاد کو ایک دلیل ہی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بجائے خود اتنی مضبوط ہے کہ اس کے مقابلے میں کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ تاہم مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل دلائل بھی تائید اًذکر کئے ہیں۔

مفتی عبد الواحد کے انفرادی مؤقف کی وضاحت و دلیل

مولانا نے لکھا ہے کہ سود لینے والے کا مسلم مستامن ہونا ضروری نہیں وہ مسلم اصلی بھی ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ جب حربی کا مال مباح ہے خواہ کافر ہو یا مسلم، تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مسلم حربی نہ ہو یعنی مسلم مستامن ہو یا مسلم اصلی ہو اس کا مال مباح نہیں یعنی کوئی اس سے سود لے نہیں سکتا وہ گویا پھر خود تو لے سکتا ہے نیز یہ کہ جب مسلم مستامن اور مسلم حربی کے لئے حربی کا مال مباح ہے تو پھر مسلم اصلی کے لئے بھی مباح ہونا چاہئے۔ اس سے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔[1]

مفتی احمد رضا خان کے انفرادی مؤقف کی وضاحت اور دلیل

سود کی حرمت کی علت مال کا محظور (ممنوع) ہونا ہے۔ ورنہ "لَا رِبٰوا بَینَ المسلِمِ وَالحَربِی" میں حربی کی قید اتفاقی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر حربی بغیر امان کے دار الاسلام میں آجائے تو اس کا مال مباح ہو گا، لہٰذا اس صورت میں بھی حربی سے بطیب خاطر اضافہ جائز ہی ہو گا۔[2]

حاصل بحث

مؤلف کے نزدیک امام ابو حنیفہ و امام محمد کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے، سرخسی و طحاوی کی تصریحات یہ واضح کرتی ہیں کہ یہ فقہ کوفہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے، مزید یہ کہ عبارات فقہیہ کا اطلاق اور خود " لَا رِبٰوا بَینَ المسلِمِ وَالحَربِی

---

[1] عبد الواحد، ڈاکٹر، فقہی مضامین، ص:۴۲۶

[2] احمد رضا خان، مفتی، فتاوی رضویہ، ۱۷/۳۱۳

فِي دَارِالحَرب "کا مسلمان کے زیادتی لینے اور دینے دونوں کو جائز رکھتا ہے۔ محارب بالفعل و محارب بالقوۃ کا فرق درست نہیں۔ نیز زیادتی لینے اور دینے کے جواز سے وہاں (غیر مسلم ممالک) کے مسلمانوں کے بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں۔ البتہ "سد ذریعہ" کے اصول کے تحت اگر مفاسد کا خطرہ متیقن ہو تو عدم جواز کا قول راجح ہوگا۔

معاہدات کی پاسداری: اقلیتوں سے کئے گئے معاہدوں کو توڑنا ممنوع قرار دیا گیا، اسکی پاس داری کو لازم سمجھا گیا ہے بلکہ سختی سے تاکید کی گئی ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے کہ:

العقدفھوانه لازم فی حقناحتی لایملک المسلمون نقضه بحال من الاحوال وامافی حقھم فغیرلازم-1

"عقد ذمہ مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے لازم ہے یعنی وہ معاہدہ کرنے کے بعد پھر توڑ دینے کے مختار نہیں لیکن دوسری جانب ذمیوں کو اختیار ہے جب تک چاہیں اس پر قائم رہیں اور جب چاہیں توڑ دیں۔"

اقلیتوں کو اسلامی ریاست میں اپنے سماج و معاشرے کے اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے کا حق حاصل ہے انکے شخصی معاملات مثلاً نکاح، طلاق وغیرہ کے سلسلہ میں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا۔

شرح فتح القدیر میں ہے کہ

ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا کہ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ کو نکاح محرمات کی اجازت کیوں دی، شاید آپ اسکی ممانعت فرمانا چاہتے تھے کیونکہ فطرت سلیمہ بھی اس فعل کو ناپسند کرتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

اِنَّمَابَذَلُواالجزیَة لِیَترُکُواعَلٰی مَایَعتَقِدُونَ وَاِنَّمَااَنتَ مُتَّبِعٌ وَلَامُبتَدِعٌ-2

---

[1] الکاسانی، علامہ، علاوالدین بن احمد، بدائع الصنائع (دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۸۶ء)، ۷/ ۱۱۲

[2] ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد، شرح فتح القدیر (دار الفکر، بیروت، ۲۰۱۰ء)، ۳/ ۴۱۷

"انہوں نے جزیہ اس لیے دیاہے تاکہ انہیں اپنے اعتقادات پر چھوڑ دیا جائے، آپ تو خلفائے راشدین کی پیروی کرنے والے ہیں، نہ کہ نئی راہ بنانے والے۔"

انکے حقوق یہ بھی ہیں کہ انکے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا برتاو کیا جائے۔ بد خلقی اور سختی کا مظاہرہ نہ کیا جائے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾[1]

"اللہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی کا برتاو اور انصاف کرنے سے منع نہیں فرماتا ہے، جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے اور نہ تم کو انہوں نے تمہارے گھروں سے نکالا، بلکہ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

کتاب الخراج میں ہے:

وجعلت لهم ايماشيخ ضعيف عن العمل واصابته آفة من الافات او كان غنياًفافتقروصاراهل دينه يتصدقون اليه طرحت جزيته وعليه من بيت مال المسلمين وعياله ماااقام بدارالهجرة ودارالاسلام۔[2]

"اگر انکے ضعیف اور ناکارہ لوگوں کو یا آفت رسیدہ یا غنی سے فقیر ہو جانے والے افراد جنہیں انکے مذہب کے لوگ خیرات دینے لگیں

---

[1] سورۃ الممتحنہ ۸:۶۰

[2] ابو یوسف، امام، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج (مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن)، ص:۱۵۵

،توان سے جزیہ ہٹایا دیا جائے گا اور بیت المال سے انکے اور انکے اہل عیال کا نان نفقہ کا انتظام کیا جائے گا جب تک وہ اسلامی ریاست میں رہیں گے۔"

غیر مسلم ممالک میں ملازمت:

مسلم اقلیتوں کو بھی بہت سے مذہبی، معاشرتی، اور معاشی مسائل کا سامنا ہے یہاں کچھ مسائل کا ذکر کیا جارہا ہے مسلم اقلیتوں کے لئے غیر مسلم ممالک میں ملازمت کے سلسلے میں اولاً تو یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ ملازمت اگر بلاواسطہ کسی غیر مسلم کی شخصی ہو تو فقہا کے نزدیک مکروہ ہے حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

استقرت المذاهب علی ان الصناع فی حوانیتهم یجوز لهم العمل لاهل الذمة ولا یعتد ذلک من الذلة بخلاف ان یخدمه فی منزله و بطریق التبعیة له۔1

"تمام مذاہب فقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمان کاریگروں کا اپنی دوکانوں میں بیٹھ کر ذمی غیر مسلموں کے لئے کام کرنا جائز ہے اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں، البتہ ایک مسلمان کا کسی ذمی کے گھر میں اسکی خدمت انجام دینا اور اس کی ماتحتی اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس میں ذلت کا پہلو پنہاں ہے۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خدمت میں مسلمانوں کی ذلت کا پہلو نہ ہو ایسی شخصی خدمت بھی جائز ہے۔

کره اهل العلم ذلک الا لضرورة بشرطین احدهما ان یکون عمله فی مایحل للمسلم فعله والا خران لا یعینه علی مایعود د ضرره علی المسلمین۔2

---

[1] عسقلانی، علامہ، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری (دارالکتب السلفیہ، مصر، س۔ن)، ۴/ ۴۵۲

[2] ن۔م

"اہل علم نے ایسی شخصی خدمت کو مکروہ قرار دیا ہے مگر ضرورۃً اسکی اجازت ہے دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ وہ خدمت شرعاً مسلمان کے لئے کرنا جائز ہو، دوم یہ کہ اسکا ضرر مسلمانوں کو نہ ہوتا ہو یعنی کوئی ایسی خدمت نہ ہو جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔"

غیر مسلموں کے اداروں میں ملازمت:

مسلم اقلیتوں کے لئے غیر مسلموں کے اداروں میں ملازمت کا کیا حکم ہے سو اس بارے میں متفقہ رائے یہ ہے کہ اگر نوکری فی نفسہ شرعاً جائز ہو اور اسکا ضرر مسلمانوں کو نہ پہنچتا ہو تو پھر ایسی نوکری کی اجازت ہے کہا گیا ہے کہ ان ممالک کے ایٹمی ٹیکنالوجی کے اداروں میں بھی ملازمت درست ہے۔ البتہ اگر انکے ذمہ کوئی ایسا عمل لگایا جائے جو مسلمانوں کے لئے ضرر رساں ہو تو پھر ایسی ملازمت کی بالکل اجازت نہیں۔ چونکہ کفار کی نجی کمپنیوں میں بھی کئی افراد مل کر یہ کمپنیاں چلا رہے ہوتے ہیں لہذا وہاں کراہت نہیں ہے۔[1]

حاصل بحث:

مؤلف کی رائے یہ ہے کہ موجودہ دور میں نہ صرف یہ کہ کفار کے اداروں میں ملازمت کو ضرورت کے ساتھ مقید کیا جانا چاہئیے بلکہ فقہا کی تقسیم کے بموجب کفار کے ممالک کو متحد الحکم نہیں رکھنا چاہئیے، بلکہ وہ ممالک جو مسلمانوں کے خلاف عملاً بر سرپیکار ہیں مثلاً امریکہ اور اسکے اتحادی ممالک، ان میں ملازمت محض ضرورت کے لئے جائز ہونی چاہئے اس لئے کہ فقہا کے ہاں معصیت میں اعانت بھی معصیت شمار ہوتی ہے، اعانت چاہئے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ۔

البتہ ایسے غیر مسلم ممالک جو عملاً مسلمانوں کے خلاف بر سرپیکار نہیں ہیں۔ ان ممالک میں اقامت اور انکے اداروں میں ملازمت کی اجازت اس نیت کے ساتھ مقید ہونی چاہئے کہ جب مسلم ممالک کے حالت اچھے ہوں گے اور وہاں تارکین وطن کو باعزت اقامت اور روزگار میسر ہو گا تو یہ تارکین وطن واپس لوٹ آئیں گے، اس لئے کہ تقریباً تمام غیر مسلم ممالک میں صورتحال اس قدر خراب ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے ایمان کو بچانا اور خصوصاً! اپنی اولاد کی صحیح تربیت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ علی التسلیم کہ مسلم ممالک کی صورتحال بھی کچھ تسلی بخش نہیں ہے مگر عقیدہ و عمل کی آزادی

---

1 عمری، جلال الدین، مولانا، غیر مسلموں سے تعلقات اور انکے حقوق (ادارہ تحقیق و تصنیف، علی گڑھ، ۱۹۹۹ء)، ص: ۱۱۵

یہاں ابھی بھی ایک حد تک حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر اپنے محلے آباد کریں اور پھر گھروں اور محلوں میں اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنائیں۔

حرام اشیاء کی خرید و فروخت:

مسلم اقلیتوں کے لئے غیر مسلم ممالک میں دیگر مسائل کی طرح یہ بھی بہت بڑا مسئلہ ہے، یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کسی مسلمان کے لئے محرمات کی خرید و فروخت کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے لیکن ان غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو دو مسئلے در پیش ہیں۔ ان ممالک میں ہوٹلوں میں مسلمانوں کو ملازمت کرنا پڑتی ہے جبکہ ان جگہوں پر شراب بکتی ہے اسی طرح غیر مسلموں کے ہاتھوں مشینوں سے ذبح کیا ہوا ذبیحہ خریدنا پڑتا ہے۔ فقہاء نے ان دونوں مسائل کے بارے میں اپنی آراء دی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

شراب بیچنے والے ہوٹلوں میں ملازمت:

پوری امت مسلمہ کا متفقہ مئوقف ہے کہ جس طرح شراب کا پینا حرام ہے اسی طرح اسکا بنانا، اٹھانا، بیچنا، خریدنا اور پلانا بھی حرام ہے۔ لہذا ایک مسلمان کے لئے غیر مسلم کے ہوٹل میں ملازمت اختیار کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ مسلمان شراب پلانے یا خنزیر یا دوسرے محرمات کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کرنیکا عمل نہ کرے اس لئے یہ شراب پلانا یا اسکو دوسروں کے سامنے پیش کرنا حرام ہے۔ یہی مؤقف فقہا کا ہے۔[1]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے:

لَعَنَ رَسُوْلُ اللہ فِی الْخَمْرِ عَشْرَۃ عَاصِرُھا وَ مُعْتَصِرُھا وَشَارِبُھا وَحَامِلُھا وَالمحْمُوْلَۃ اِلَیْہ وَ سَاقِیُھا وَبَا یِعُھا وَاٰکِلُ ثَمنِھا وَالْمُشْتَرِئ اِلَیھا وَالْمُشْتَرَاۃ لَہ۔[2]

"حضور اقدس ﷺ نے شراب سے متعلق دس اشخاص پر لعنت فرمائی ہے شراب نچوڑنے والا، جس کے لئے نچوڑی جائے، اسکو پینے والا، اٹھانے والا،

---

1 نعمت اللہ حقانی، مفتی، غیر اسلامی ممالک کے سفر اور ملازمت کا شرعی حکم، المباحث الاسلامیہ، ستمبر ۲۰۰۵ء، ص:۹۰-۹۱

2 القزوینی، محمد بن یزید، السنن (دار الفکر، بیروت، س۔ن)، ۲/ ۱۱۲۲

جس کے لئے اٹھائی جائے ، پلانے والا ، بیچنے والا، شراب بیچ کر اسکی قیمت
کھانے والا خریدنے والا، جس کے لئے خریدی جائے۔

عبد الرحمن بن دعلۃ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابن عباسؓ سے پوچھا کہ ہم ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں ہمارے پاس انگور کے باغات ہیں اور ہماری آمدنی کا بڑا ذریعہ شراب ہی ہے، جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شراب کی ایک مشک بطور ہدیہ پیش کی، حضور ﷺ نے اس شخص سے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْ حَرَّمَ شُرْبَهَا حَرَّمَ بَيْعَهَا۔[1]

"جس ذات نے اسکے پینے کو حرام قرار دیا ہے اس نے اسکی خرید و فروخت کو
بھی حرام قرار دیا ہے۔"

اس سے واضح ہو گیا کہ جس علاقے میں شراب کی تجارت کا عام رواج ہو، وہاں اسکی خرید و فروخت حرام ہی رہے گی، ایک رائے یہ ہے کہ حالت اضطرار میں اس کی اجازات ہے۔

حاصل بحث:

ایک مسلمان کے لئے شراب بنانے، بیچنے، پلانے اور اس کے کاروبار میں وسیلہ بننے کی ہرگز اجازت نہیں ہونی چاہئیے۔

مسلم اقلیتوں کے لئے ذبیحہ کے مسائل:

غیر مسلم ممالک کی طرف مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی ہجرت کے بعد یہ مسئلہ بھی پیدا ہوا کہ آیا ان ممالک میں ذبح کئے جانے والے جانور حلال ہیں یا حرام۔ اس تناظر میں دو مسئلے قابل غور تھے، اول یہ کہ آج کل کے اہل کتاب آیا نزول قرآن کے وقت کے اہل کتاب کی طرح ہیں یا محض رسماً اہل کتاب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ اہل کتاب کے ذبیحہ کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، دوم یہ کہ ان ممالک میں جس مشینی طریقے سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ طریقہ جائز ہے یا نہیں۔ اسکے مطابق مذبوح جانور حلال ہیں یا حرام۔

---

[1] القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح (داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ)، ۳/۱۲۰۶

اہل کتاب ذابح کا اللہ کا نام لینا:

جمہور علما کا مؤقف یہ ہے کہ کتابی کا ذبیحہ اس وقت حلال ہے جب وہ بوقت ذبح خالص اللہ کا نام لے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اس مت کھاؤ

﴿وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ﴾[1]

"اور اس جانور کا گوشت مت کھاو جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اور یہ گناہ ہے رافع بن خدیجؓ سے مروی حدیث میں آتا ہے۔"

مَا أُنهِرَ الدَّمُ وَ ذُكِرَتِ اسْمُ الله عَلَيْه فَكُلْ۔[2]

"جس جانور کا خون بہایا جائے اور تو اس پر اللہ کا نام لے تو اسے کھا۔"

البتہ مفتی رشید احمد لدھیانوی کی تحقیق یہ ہے کہ اگر کتابی بوقت ذبح اللہ کا نام نہ لے اور غیر اللہ کا نام بھی نہ لے تو اسکے ذبیحہ کی گنجائش ہے ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

امام شافعی اہل کتاب کے ذبیحہ کی حلت کے قائل ہیں۔ خواہ کتابی نے عمداً تسمیہ نہ پڑی ہو، بعض شوافع اسی ذبیحہ کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔

کتابی نے اللہ کے نام عمداً چھوڑا مگر غیر اللہ کا نام لیا تو پھر بھی جمہور کے ہاں حلال ہے۔

کتابی مثلاً نصرانی نے بوقت ذبح عیسی علیہ السلام کا نام لیا تو بھی بعض کے ہاں ذبیحہ حلال ہے کیونکہ عیسی کا مقصد ان کے ہاں اللہ ہیں۔

بنو تغلب کے ذبائح کو حضرت علیؓ حرام قرار دیتے ہیں مگر جمہور حلت کے قائل ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں ان دلائل کی روشنی میں گنجائش نکلتی ہیں۔ انکا کہنا ہے کہ انہوں نے پاکستان سے لے کر روم تک کے بڑے بڑے مراکز اور مذبح خانوں سے براہ راست رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ بوقت ذبح نہ تو اللہ کا نام لیتے ہیں نہ ہی غیر اللہ کا نام لیتے ہیں۔[1]

---

[1] سورۃ الانعام ۶:۱۲۱

[2] القزوینی، محمد بن یزید، السنن، ۲/ ۱۱۲۲

باقی علما کا کہنا ہے کہ بوقت ذبح خالص اللہ کا نام لینا شرط ہے ان علما کا کہنا ہے کہ ذبیحہ کے لئے تسمیہ شرط ہے چاہئے ذابح مسلمان ہو یا کتابی۔ کتابی کا ذبیحہ بھی اس لئے حلال کیا گیا ہے کہ وہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیا کرتے تھے۔[2]

مشینی ذبیحہ کے متعلق مسائل

مشین کے ذریعے ذبح کیا جائے تو ایسی صورت میں فقہاء کی دو آرا ہی۔

۱۔ پہلی رائے یہ ہے کہ مشین کے ذریعے ذبح کیا ہوا جانور مطلقاً حرام ہے، چاہئے ذابح مسلمان ہو یا کتابی، اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو، مفتی محمد شفیع نے چند شرائط کے ساتھ مشینی ذبیحے کی حلت کا فتوی دیا تھا اس پر مفتی محمود نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "مہربان من! میں سمجھتا ہوں کہ بٹن دبانے والا مسلمان بھی ہو اور بٹن دبانے کے وقت تسمیہ بھی پڑھے تب بھی مشین کے مروجہ ذبیحہ کو حلال نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ مردار ہی ہے آپ یہ دیکھیں کہ بٹن دبانے والے نے صرف اتنا ہی تو کیا کہ برقی طاقت اور مشین کا جو کنکشن (تعلق) کٹ چکا تھا اور ان دونوں کے درمیان جو مانع تھا اس کو دور کر دیا اور پھر سے کنکشن جوڑ دیا اور پھر بس، دراصل مشین کی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر (کرنٹ) ہے نہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ کی قوت محرکہ، اور یہ گلا کاٹنا بقی و قوت اور مشین کا فعل ہے نہ کہ اس مسلمان کا۔"[3]

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ محض اس وجہ سے جانور حرام نہیں ہو گا۔ کہ اسے مشین سے ذبح کیا گیا ہے اس لئے کہ مشین کو چلانے والا بہر حال انسان ہی ہے، مفتی محمود کے نقد کا حاصل یہ تھا کہ مشین کے بٹن دبانے والے نے بجلی اور جانور

---

[1] لدھیانوی، مولانا، رشید احمد، احسن الفتاوی (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س۔ن)، ۷/۴۱۶

[2] عبد الواحد، ڈاکٹر، فقہی مضامین، ۱/۱۸۲

[3] محمود، مفتی، تاوی بینات (مکتبہ بینات، کراچی، س، ن)، ۴/۵۴۱

کے درمیان کنکشن منقطع (آف) ہونے کو دوبارہ بحال (آن) کیا اور جانور ذبح ہو گیا، لہذا اس بٹن دبانے والے نہ صرف مانع کو رفع کیا ہے، حقیقت میں ذبح مشین نے ہی کیا ہے۔

مفتی رشید احمد لدھیانوی اسکا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ بٹن دبانا رفع مانع نہیں بلکہ بٹن کے اندر دو تاروں کے درمیانی فاصلہ کو پیتل کے ٹکڑے سے پر کر کے محرکہ (برقی لہر) کو چھری تک پہنچایا جاتا ہے۔

بٹن دبا کر کوئی تعلق کاٹا نہیں جاتا بلکہ ملایا جاتا ہے یہی اسکی حقیقت "ایصال آلة الذبح الی المذبوح " ہے رفع مانع اور ایصال بواسطہ شئے میں فرق بد یہی ہے کہ اول اعدام الموجود ہے اور ثانی ایجاد المعدوم یا یوں کہیں کہ اول رفع الشئے ہے اور ثانی میں "اتیان بالشی فشتان بینهما۔"[1]

مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

" اگر آگ جل رہی ہو اور کسی چیز مثلاً نلکی کے ذریعے وہ آگ مذبوح تک پہنچ گئی اور اسکی رگیں منقطع ہو کر خون بہہ گیا تو ایسا جانور حلال ہے بالکل مشینی ذبیحے کی یہی حالت ہے کہ بجلی کو اسنان اس جانور تک پہنچا دیتا ہے لہذا یہ موجود کو معدوم کرنا نہیں بلکہ معدوم کو موجود کرنا ہے۔ مفتی رشید احمد مزید لکھتے ہیں کہ اگر مشین کا بٹن دبانا مباشرت فعل نہیں بلکہ رفع مانع ہے تو اس طرح اگر کسی انسان نے دوسرے کو قتل کر دیا یعنی مشین کی چھریوں کے نیچے باندھ کر بٹن دبایا تو کیا پھر اس پر قصاص نہ ہو گا۔[2] نیز یہ کہ جس طرح ایک شخص آگ کو جانور تک پہنچا کر پیچھے ہٹ جائے اور اگ جانور کی

---

[1] لدھیانوی، مولانا، رشید احمد، احسن الفتاوی، ۷/ ۴۷۳

[2] ن۔م، ۷/ ۴۷۳

رگوں کو منقطع کرے تو یہ جائز ہے اسی طرح ایک شخص محض مشین کا بٹن دباوے اور پیچھے ہٹ جائے اور مشین ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے۔"[1]

البتہ مشینی ذبیحے کے اندر چند اور خرابیاں پائی جاتی ہیں جو اگرچہ اسکی حالت پر اثر انداز نہیں ہوتی تاہم انکے باعث مشینی ذبیحہ کا استعمال مکروہ ہونے کا باعث بغیر شدید ضرورت کے صحیح نہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

جانور کو گدی کی طرف سے وار کرکے ذبح کیا اگرچہ اللہ کا نام بھی لیا مگر یہ طریقہ غلط ہے

جانور کی پوری گردن، سر وغیرہ کو دھڑ سے بالکل جدا کر دینا بھی مکروہ ہے۔

مفتی منیب الرحمان لکھتے ہیں کہ

"ذابح کا مسلمان ہونا یا اہل کتاب سے ہونا شرط ہے، لیکن گوشت فروخت کرنے والے یا کسی اور دکان دار کے لیے اسلام شرط نہیں ہے۔"[2]

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ

"اسلام انسانی حقوق (اقلیتوں کے حقوق) کا مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے، حقوق کے اعتبار سے مسلم وغیر مسلم میں کوئی فرق نہیں کرتا، لیکن ذابح کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے۔"[3]

حاصل بحث یہ ہے کہ مفتی رشید احمد کی تحقیق کے مطابق اگر کتابی نے بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا اور غیر اللہ کا نام بھی نہیں لیا تو پھر انکے ہاں مذکورہ بالا دو مفاسد کے باعث ذبیحہ حلال ہونے کے باوجود جائز نہیں ہے، بلکہ خود مفتی رشید احمد کے بقول آج کل کے کتابی جانور کی گردن مروڑ کر یا اور صریح حرام طریقوں پر جانور کی جان نکالتے ہیں۔[4] جبکہ دیگر علما کے ہاں ان دو مفاسد کے علاوہ اللہ کا نام نہ لینے کے باعث مذبوحہ جانور حرام ہے حتی کہ مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ اگر

---

1 لدھیانوی، مولانا، رشید احمد، احسن الفتاوی، ۷/۴۷۳

2 منیب الرحمان، مفتی، تفہیم المسائل (ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۳ء)، ۲/۳۶۱

3 تقی عثمانی، مفتی، فقہی مقالات (میمن اسلامک پبلیشرز، کراچی، ۲۰۱۵ء)، ۶/۱۶۶

4 لدھیانوی، مولانا، رشید احمد، احسن الفتاوی، ۷/۴۷۳

بہت سارے جانور ایک ہی چھری سے ذبح ہوئے ہیں تو پھر صرف پہلے جانور جس پر بسم اللہ پڑھی گئی وہ حلال ہو گا۔ باقی جانور حرام رہیں گے۔ کیونکہ ان پر تسمیہ نہیں پڑہی گئی۔ البتہ اگر ایک ہی بڑی چھری سے متعدد جانور بیک وقت ذبح ہوئے تو پھر ان سب کے لئے ایک ہی تسمیہ کافی ہو جائے گی۔

مؤلف کی رائے

مؤلف کی رائے میں ذبیحہ کا مسئلہ حلال و حرام کا مسئلہ ہے دوسری طرف گوشت ایسی ضرورت نہیں ہے جس کی وجہ سے حالت اضطرار کا تحقق ہو سکے۔ نیز یہ کہ اب مسلمانوں کو متعدد غیر مسلم ممالک میں حلال گوشت میسر بھی آجاتا ہے لہذا اہل کتاب کے ذبیحے کو ناجائز ہی ہونا چاہئے، البتہ مشینی ذبیحہ کے متعلق یہ تفصیل کی جانی چاہئے کہ اگر مشین ایسی ہو جس میں جانور کو گردن کی جانب سے ذبح کیا جائے کہ کہ گدی کی جانب سے اور مشین چلانے والا مسلمان ہو اور وہ ایک دفعہ مشین کو تسمیہ پڑھ کر شروع (آن) کر دے تو اس کے بعد جتنے جانور ذبح ہوتے چلے جائیں گے وہ حلال ہوں گے تا آنکہ مشین بند ہو جائے اس لئے کہ بجلی کی روانی کی وجہ سے ایک تسمیہ کفایت کر سکتی ہے۔

نتائج بحث:

1. دین اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اس میں تمام انسانوں کی تمام ضروریات کا حل موجود ہے۔
2. اسلام انسانی حقوق اور شہری حقوق کا اعتراف اور مکمل تحفظ فراہم کرتا ہے۔
3. مسلم اقلیتوں کے حقوق ہوں یا غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق اسلام دونوں کے حقوق کا داعی ہے۔
4. اقلیتوں کے حقوق، معاشی و معاشرتی مسائل کے حل سے ملکی خوشحالی و استحکام نصیب ہو گا۔

سفارشات و تجاویز:

1. اقلیتوں کے مسائل کے حل کے لئے تمام مکاتب فکر کے علما کرام کو حکومتی سرپرستی میں مشترکہ لائحہ عمل تیار کرنا چاہئے۔
2. مسلم اقلیتوں اور غیر مسلم اقلیتوں کے مسائل کی نشاندہی کرنی چاہے۔
3. سیمینارز، کانفرنسز اور مختلف تربیتی پراگرامز کے ذریعے لوگوں کو اقلیتوں کے مسائل اور انکے حل سے آگاہ کرنا چاہئے۔
4. عالمی سطح پر تمام مسلم و غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق و مسائل کے لئے قانون سازی کی جانی چاہئے۔